

# چند کھڑا

jabir.abbas@yahoo.com

مؤلف  
علامہ فروغ کاظمی

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶  
۹۲۱۱۰  
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
Version

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

## اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.

[www.sabeelesakina.page.tl](http://www.sabeelesakina.page.tl)

[sabeelesakina@gmail.com](mailto:sabeelesakina@gmail.com)

# حقیقت تبرّا

سبیلِ سید

حیدرآباد الیف آباد، پتہ نمبر ۸-۵۱

فروغ کاظمی



سید سکیہ  
حیدر آباد لطیف آباد پونٹ نمبر ۵۱-۵۲

## انتساب

ایک سورۃ فاتحہ کی استدعا کے ساتھ

مجاہد اکبر جناب سید قیصر حسین صابر ضوی ایدو گریٹ مجرم

کے ساتھ

جن کا قوی کردار ۱۹۳۹ء کے تیراکی ٹیشن میں آفتاب کی طرح درخشاں

اور

ان کے فرزند جناب سید مہدی حسن صاحب جنرل سکریٹری  
آل انڈیا شیوہ حسینی فنڈ کے نام جنہوں نے مجرم کی قوی فرما

کو برقرار رکھا ہے

فزع کاظمی

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

نام کتاب ..... حقیقت تبرّا

مولف ..... فزع کاظمی

تعداد اشاعت ..... ایک ہزار

ناشر ..... ادارہ تہذیب و ادب

میدان ایلیچ خاں بکھنؤ

روپے .....

ملنے کا پتہ

ارعباس بک انجینی درگاہ حضرت عباس رستم نگر بکھنؤ

برشیوہ مشن معصوم منزل رستم نگر بکھنؤ

# حرف آغاز

مولانا سید زاہد احمد صاحب قبلہ مجتہد

”تو لا اور تبرا“ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق براہ راست فطرت انسانی سے ہے اس لیے کوئی انسان جب کسی محبوب شخصیت سے والہانہ محبت رکھتا ہے تو وہ اس کے دشمنوں اور مخالفوں سے نفرت بھی کرتا ہے۔

اسی ناقابل تردید سچائی اور فطری اصول کی بنیاد پر محقق بصیر جناب فردرخ کاظمی نے اپنی اس مختصر سی کتاب میں قرآن حدیث اور تاریخی حوالوں کے ذریعہ تبرا کی حقیقت کو اجاگر کرنے کی ایک منطقی کامیاب اور محسن کوشش کی ہے۔ انداز بیان ضرور کہیں کہیں پر مناظرہ ہے اور ہونا بھی چاہیے، کیونکہ اسلام نے ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی مناظرہ کے آداب بھی سکھائے ہیں یعنی ہندو مذہب، شائستگی اور موعظہ حسنہ کے دائرے میں اس کا مناظرہ کیا جاسکتا ہے اور اگر مناظرہ میں ان احکام کو پیش نظر نہیں رکھا گیا تو اسلام مناظرہ کی اجازت نہیں دیتا میرے خیال میں اس مسئلے کی وضاحت بھی ضروری ہے تاکہ آداب مناظرہ سے متعلق اسلامی احکامات کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

اس سلسلے میں پہلی چیز جو غور و فکر کی محتاج ہے وہ حقیقت کا اظہار ہے مثلاً کوئی شخص

# اندکس

صفحہ نمبر

مضامین

۱	حرف آغاز (مولانا سید زاہد احمد صاحب قبلہ مجتہد)
۳	مبشمے تاثر (مولانا سید زیدی)
۴	تو لا اور تبرا
۱۸	تبرا اور لعنت کی معنوی حیثیت
۲۱	بے بنیاد قہمت
۲۶	تبرا کی تاریخی حیثیت
۲۹	تبرا کی قرآنی حیثیت
۳۲	جواز لعنت۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں
۴۰	رفض کیا رہے؟
۴۱	تبرا اور لعنت پر عقلی دلیل



## میشمی تاثر

مولانا میثم زیدی

تولا اور تبرہ فردی دین میں شامل ہے۔

تولا کا مقصد حق کی حمایت ہے اور تبرہ باطل سے اظہار برائت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف شیعوں ہی نہیں بلکہ ہر گروہ کو تولا اور تبرہ کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھنا ہے کیونکہ ہر مسلمان حضرت آدمؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ سے اظہار محبت کے ساتھ ساتھ اہلبیت میں نزول فرعونؑ ابولہبؑ اور ابو جہلؑ وغیرہ سے اظہار نفرت کرتا ہے اور یہی اظہار نفرت حقیقت میں تبرہ ہے۔

آج کل کچھ لوگ تبرے کو گالی کہہ کر اس بہترین عمل کو بدنام کرنے کی سازش کر رہے ہیں جبکہ قرآن مجید میں یہ لفظ کسی مرتبہ استعمال ہوا ہے جس کے حوالے اس کتاب میں موجود ہیں تو کیا قرآن میں (نمود باللہ) گالیاں موجود ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تبرہ عربی زبان کا لفظ ہے اور کسی بھی لغت میں گالی کو تبرہ نہیں کہا گیا بلکہ عربی میں گالی کو "سب" کہتے ہیں "تبرہ" بہر حال ہم شیخان اہلبیتؑ پیغمبر اسلامؐ اور ان کی آل سے تولا اور ان کے دشمنوں سے تبرہ کرنا اپنا ایمان جانتے ہیں۔

جناب فروغ کاظمی صاحب جو ایک عرصے سے اپنی سلسل تحریروں کے ذریعہ دشنام اہلبیتؑ کو دنیا میں شگن جواب دے رہے ہیں ان کی باقی کتابوں کی طرح یہ کتاب "حقیقت تبرہ" بھی بہت ہی مدلل کتاب ہے اور میری نظر میں سونے ہوئے لوگوں کو جاننے کے لیے بہت کافی ہے لیکن جن کا سونا بکا بنا دی ہو انھیں بیداری کی کسوٹی پر پرکھنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ جناب فروغ کاظمی صاحب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

مسید حسنہ سے متفقے میثم زیدی سے (ایم۔ اے۔ بی ایس سی۔ ایل ایل بی)

کسی شخص کو بغیر کسی قنوس ثبوت کے چور کہہ دے تو اس کو بہتان تہمت اور دل آزاری سے تعبیر کیا جائے گا اور اگر وہی شخص عدالت کا فیصلہ اور جلیہ کا سرٹیفکیٹ پیش کر کے یہ کہہ دے کہ فلاں شخص نے فلاں کا مال چورایا تھا عدالت نے اس جرم میں اس کو چھ ماہ کی سزا دی تھی جس کی تائید عدالت کے اس فیصلہ سے ہوتی ہے اور جلیہ میں چھ ماہ تک سزا کاتنے کی تائید جلیہ کے اس سرٹیفکیٹ سے ہوتی ہے تو یہ اتہام و الزام بادل آزاری ہرگز نہیں ہے کیونکہ ہر انصاف پسند انسان و سادہ ذہنی شہادتوں کو دیکھ کر یہی کہے گا کہ چور کو چور کہنے والا حق پر ہے اور حقیقت کے اظہار کو دل آزاری کہنا درست نہیں ہے۔

اس طرح مناظرے کا ایک بنیادی اصول یہ طے پایا کہ حقیقت کا اظہار دل آزاری نہیں ہے اور اگر اس اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا تو اسلام کا کلمہ "لا الہ الا اللہ" دل آزاری کی تعریف میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ نبوت رسولؐ سے پہلے کفار عرب ہزاروں خداؤں کو مانتے تھے ہر قبیلہ کا ایک بت ہوتا تھا جس کو اس قبیلہ کے لوگ اپنا خدا تسلیم کرتے تھے تمام خداؤں کی نفی کر کے صرف ایک خدا کے وجود کو صحیح کہنا ہزاروں خداؤں کے ماننے والوں کے لیے دل آزاری نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ بہر حال حقیقت کے اظہار کا نام بھصیت ہے اور نہ دل آزاری۔ اختلاف عقائد کی بنیاد پر کسی حقیقت سے انکار کر دینا بھصیت ہے اور بغیر کسی محکم دلیل کے حقیقت کے خلاف کہہ دینا دل آزاری ہے۔

اس پہلو کو بھی جناب فروغ کاظمی نے قصویٰ طور پر مد نظر رکھا ہے مجھے امید ہے کہ یہ کتاب منکرین تبرہ کے لیے بھی کارگر اور مفید ثابت ہوگی۔ اللہ کرے زبردقلم اور زیادہ۔

خاکائے اہل بیتؑ

(سید زاہد احمد رضوی)



اب چونکہ صفات واجبہ کی تحدید غیر ممکن ہے اور اس کی حد بندی نہیں کی جاسکتی تو اس کے زیر اثر پیدا ہونے والی محبت کو بھی محدود نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ کسی حد تک کیوں نہ ہو پھر

توئی اور تبرّاجس طرح اپنے وجود میں امتیاز کی ان کیفیات و خصوصیات کے تابع ہیں جن کی بنا پر محبت اور نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح اپنی مقدار و منزل میں بھی انہیں کیفیات کے پابند ہیں اور انہیں کیفیات سے ان کی حد بندی کی ہوتی ہے نیز انہیں کی بنیاد و اساس پر ان کے درجات کا تعین ہوتا ہے چنانچہ اس اصول کے تحت جو حقیقی ذات سب سے پہلے محبت کی سخن ہے و ذات باری تعالیٰ ہے جو اپنے صفات و کمالات کے اعتبار سے کامل و اکمل ہے اور اس کی ہر صفت جلال و جلال ہرگز نہ نقص و کمال ہر دلیل عظمت و بزرگی ہر نشانی رحمت و رافت اس بات کی مقتضی ہے کہ



جائے" غلو کا نام نہیں دیا جاسکتا اس لیے کہ غلو حد سے تجاوز نہ کرنے کا نام ہے اور اس کے صفات و کمالات کی کوئی حد معین نہیں ہے۔

اس کے برخلاف کسی شے سے نفرت اور بیزاری اس بات کی کھلی ہوئی علامت ہے کہ روح اس سے بھاگتی ہے اور اس سے پناہ چاہتا ہے۔ نفرت اور بیزاری عمومی طور پر انسان کے دل میں اس وقت جنم لیتی ہے جب وہ ظلم کا چہرہ دیکھتا ہے یا ایسے ظالموں پر اس کی نگاہ تصور مرکوز ہوتی ہے جنہوں نے ماضی یا حال میں ظلم کو اپنا نصب العین قرار دیا ہو۔ ضمیر انسانی انسان کے دل میں ایسے لوگوں کی طرف سے نفرت کا جذبہ پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ انسان ہر ظالم سے نفرت کرنے لگتا ہے خواہ وہ خود کیوں نہ ہو۔

اللہ کی محبت کے اعتبار سے ہر انسان ایک الگ درجہ رکھتا ہے اس لیے کہ محبت اگرچہ ذاتی اوصاف و خصوصیات کی بنا پر پیدا ہوتی ہے لیکن انسان کے دل میں اس کی جگہ علم و اطلاع کی بنیاد پر نکلتی ہے جس انسان کو ان خصوصیات کا جس قدر علم ہوگا اتنی ہی اس کی محبت شدید ہوگی اور چونکہ تمام افراد امت مسلمہ اللہ کی معرفت میں یکساں نہیں ہیں اس لیے ان کی محبت بھی یکساں نہیں ہو سکتی ہر شخص کا ایک الگ حصہ ہوگا اور ہر شخص کا ایک الگ درجہ — نہ کوئی شخص کسی شخص کے علم میں شریک ہو سکتا ہے اور نہ کسی کی معرفت و محبت برابر ہو سکتی ہے۔ یوں تو اللہ کی محبت ہر انسان میں بقدر علم و معرفت پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ محبت نتیجہ خیز اسی وقت ہوگی جب اس کا تعلق طرفین سے ہوگا اس لیے انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے اندر ایسے کمالات پیدا کرے جس کی بنیاد پر خدا بھی اس سے محبت کرنے لگے جیسا کہ اس نے خود وعدہ کیا ہے کہ:

"اگر تم اللہ سے محبت کرنے ہو تو میں تم کا اتباع کروں گا تاکہ اللہ بھی تم سے محبت کرنے

لگے" ۱۰

ایسے تہان الوہیت کی صف میں سرفہرست امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا نام آتا ہے جنہیں پیغمبر اسلام نے فتح خیبر کے موقع پر اسی صفت سے پہچنوا یا بھی تھا کہ "کل مسلم ایسے کو دوس کا جو مرد ہوگا اگر تار و غیر فرار ہوگا" خدا اور رسول کا دوست ہوگا اور خدا اور رسول اس کے دوست ہوں گے۔

یہ حدیث اپنے تمام اسناد کے ساتھ شیعوں اور سنیوں کی مستند و معتبر کتابوں میں موجود ہے اور اپنی شہرت کی بنا پر کسی حوالے کی محتاج نہیں ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب محبت طرفین کی طرف سے ہوگی تو بندہ خدا کی کسی عنایت و رحمت سے محروم نہیں رہے گا، فضیلتیں اس کے گرد حلقہ گوش ہوں گی اور تقرب کی وہ منزل ہوگی جس کی نقشہ کشی حدیث قدسی کے حوالے سے امام بخاری نے ان الفاظ میں کی ہے:-

"میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے لیے ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان کا درجہ پیدا کر لیتا ہوں۔ وہ میرے ہا ذریعہ سنتا ہے میرے ہا ذریعہ دیکھتا ہے میرے ہا ذریعے سے دشمن پر حملہ کرتا ہے اور میرے ہا ذریعے سے قدم آگے بڑھاتا ہے۔ جب وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے دے دیتا ہوں اور جب وہ کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پکالیتا ہوں" ۱۱

درحقیقت یہی اللہ کا مقرب بندہ ایک واسطہ بن جاتا ہے جس کے ذریعہ لوگ اللہ سے

۱۰ آل عمران - ۳۱

۱۱ بخاری ج ۱، ص ۱۹۰



سے محبت کے لیے کافی ہے بلکہ اس امر کا مستحق ہے کہ آپ سے اتنی شدید محبت کی جائے جو اپنے جسم و نفس، اہل و عیال، مال و دولت، آباء و اولاد اور برادران و ازواج وغیرہ سے نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ جس طرح امت مسلمہ اللہ کی محبت میں یکساں نہیں ہے اسی طرح رسول اکرم کی محبت میں بھی یکساں نہ ہوگی۔ یہاں بھی معرفت کے اختلاف کے اعتبار سے محبت کے درجات میں اختلاف ہوگا جیسا کہ امام قرطبی کا بیان ہے کہ۔

”جو شخص بھی حضور اکرمؐ پر ایمان لایا ہے وہ اپنے نفس کو حضور کی محبت سے خالی نہیں پاسکتا۔ اس کے بعد لوگ محبت میں مختلف ہیں، بعض محبت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں اور بعض ادنیٰ درجہ پر۔ جیسے وہ افراد جو خواہشات میں غرق اور دنیا داری میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن ان میں بھی بہت سے ایسے ہیں جن کے سامنے حضرت کا ذکر آتا ہے تو زیارت کے لیے ٹرپ جاتے ہیں اور زیارت ان کی نظر میں اولاد و مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ اس راہ میں ہر قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور اس کا احساس اپنے نفس کے اندر بغیر کسی خارجی محرک کے پاتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو ایسے ہیں جو آپ کی قبر پر ہر کی زیارت اور آپ کے آثار و مقدسہ کے مشاہدہ کے لیے بے چین رہتے ہیں اور ہر قربانی دینے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ محبت پائیدار نہیں ہوتی بلکہ مسلسل غفلتوں کی بنا پر زائل بھی ہو جاتی ہے۔“

انس بن مالک نے حضور اکرمؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

”خدا کی قسم کوئی شخص بھی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔“

فتح الباری ابن حجر ج ۱ ص ۵۰-۵۱ ۱۰۰ ج ۱ ص ۹۰ ۱۰۰ ج ۱ ص ۹۰

مذاہد ج ۲ ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۰۴، ۲۰۵

قرب ہوتے ہیں دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اہل ایمان کی نجات و فلاح کا سامان فراہم ہوتا ہے اور آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں نیز یہی خدا کا محبوب و مقرب بندہ خدا کے بعد محبت (تو لا) کا حقدار ہے جیسا کہ بعض کتب صحاح میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ملتا ہے۔

”اللہ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں رزق عطا کرتا ہے“ مجھ سے محبت کرو کہ اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے اہلیت سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔“

یہ پیغمبرؐ کا حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہلیت سے محبت کا صریح حکم اپنی امت کو دیا ہے لہذا جو بھی مسلمان اہل بیت اطہارؑ سے محبت کا دعویٰ کرے گا اس کے دل میں اہل بیت کے دشمنوں سے نفرت و بیزاری کا جذبہ ضرور ہوگا جسے عرف عام میں تبرائی بھی کہا جاسکتا ہے۔

رسول اکرمؐ کی شخصیت میں محبت کے لاتعداد اسباب و مقتضیات پائے جاتے ہیں جن میں بعض کا خلق آپؐ کا اپنے پروردگار سے گہرے ربط کی بنا پر ہے اور بعض کا خلق آپ کے فضائل و مناقب سے ہے۔ آپ کی شخصیت میں اگر طینت و اصل کی پاکیزگی، خلقت و اخلاق کی بلندی، ولادت و نشو و نما کی عظمت، اخلاق و نفسیات کی رفعت، کرامات کی کثرت اور صفات و کمالات کی جامعیت سے قطع نظر بھی کر لیا جائے اور صرف یہ دیکھا جائے کہ آپ کی ذات اقدس اس کائنات کے لیے سبب تخلیق ہے۔ آپ نہ ہونے تو زمین کا فرش اور آسمانوں کی بلندی نہ ہوتی، انسان قابل ذکر مخلوق نہ ہوتا اور دنیا میں کسی شے کا وجود نہ ہوتا۔ آپ وجود کی غرض و غایت اور اللہ کے بعد ولایت عامہ کے حقدار ہیں، تو اتنا اعتبار بھی آپ کی ذات اقدس

۱۰۰ ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۰۴، ۲۰۵ ۱۰۰ ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۰۴، ۲۰۵ ۱۰۰ ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۰۴، ۲۰۵



کہ آل محمد کی محبت ایک امر واجب ہے۔<sup>۱</sup>

اسی قسم کی اور باتیں بھی علماے اسلام کے بیانات کے ذیل میں پائی جاتی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم کی محبت کے بعد آپ کے اہل بیت کی محبت کا درجہ ہے۔ آپ کی محبت اہل بیت کی محبت سے جدا نہیں ہو سکتی اور نہ ساری محبتیں خدا کی محبت سے الگ ہو سکتی ہیں۔

یہی فیصلہ کتاب و سنت کا ہے اور یہی اعلان عقل و منطق کا۔

یوں تو پیغمبر اسلام اور آپ کے اہل بیت کے اتحاد کے سلسلے میں بے شمار حدیثیں پائی جاتی ہیں لیکن ہم ان میں سے صرف چند کو بطور نمونہ یہاں نقل کریں گے۔

۱۔ جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں۔ یہ حدیث سو سے زیادہ طریقوں سے وارد ہوئی ہے۔

۲۔ علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر صاحب ایمان کے ولی و حاکم ہیں (امران ابن حصین)

۳۔ جو مجھے حسینؑ کو اور ان کے ماں باپ کو دوست رکھے گا وہ روز قیامت میرے ساتھ ہوگا (ابو ہریرہ)

۴۔ جو میری شفاعت صرف ان کے لیے ہے جو میرے اہل بیت سے محبت کریں۔

۵۔ جو حسینؑ کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے۔

۶۔ جو حسینؑ کو دوست رکھتا ہے وہ میرا دوست ہے اور جو ان کی طرف سے اپنے دل میں دشمنی رکھتا ہے وہ میرا دشمن ہے۔

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۳۹۱

واضح رہے کہ یہاں روایت کچھ لفظوں کی الٹ پھیر کے ساتھ ابو ہریرہ سے بھی نقل ہوئی ہے لیکن مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ خدا و رسولؐ جس کی نظر میں تمام دنیا سے محبوب ہوں وہ ایمان کی حلاوت سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی تقریباً اسی قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔<sup>۱</sup>

عبداللہ بن ہشام راوی ہیں کہ میں حضور اکرمؐ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ آپ عمر بن خطاب کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ عمر نے آپ سے فرمایا کہ آپ میری نظر میں میرے نفس کے علاوہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں تو آپ نے فرمایا یہ کچھ نہیں جب تک میں تمہارے نفس سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ عمر نے کہا لیجئے یہ بھی ہو گیا تو آپ نے فرمایا، اے عمر اب.....<sup>۲</sup>

نصیبی نے "نوائد میں ابولیل" انصاری کے طریق سے نقل کیا ہے کہ:-

"پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں بن سکتا جب تک میں اس کے نفس سے زیادہ میری عزت اس کی عزت سے زیادہ اور میرے اہل اس کے اہل سے زیادہ محبوب نہ بن جائیں۔<sup>۳</sup>

اسام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں رقم طراز ہیں کہ:-

"آل رسولؐ کے لیے دعا ایک عظیم منصب ہے اور اس لیے اس دعا کو شہد کا منتہی بنا دیا گیا ہے اور یہ تو ظہیر کسی اور کے حق میں نہیں وارد ہوئی لہذا انہیں باتوں سے بڑھ چلتا ہے

۱۔ بخاری ج ۱، ص ۱۰۱، ۱۰۲، ۸۳، مسلم ج ۱، ص ۲۸، ترمذی ج ۱، ص ۹۱، مسند احمد ج ۳

ص ۱۴۲، ۱۴۱، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۸۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا یا اسے دوست رکھ جو حسینؑ سے محبت کرے۔ (حضرت عائشہؓ) (یعنی بن مرہ)

۹۔ خدا یا میں حسینؑ کو دوست رکھتا ہوں تو بھی انھیں اور ان کے چاہنے والوں کو دوست رکھ۔ (ابو ہریرہؓ)

۱۰۔ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ حسینؑ سے محبت کرے (ابو ہریرہؓ)

۱۱۔ اللہ میرا مولا اور میرے نفس سے اولیٰ ہے اس کے سامنے میرا کوئی حکم نہیں میں صاحب ایمان کے نفسوں سے اولیٰ ہوں۔ میرے سامنے ان کا کوئی حکم نہیں ہے اور جس کا میں حاکم مطلق ہوں اس کے علیٰ بھی حاکم میں علیؑ کے سامنے اس کا کوئی حکم نہیں چل سکتا۔

۱۲۔ میرے اہل بیتؑ کی مثال تم میں سفیدہؓ نوح کی مسی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ ڈوب گیا۔

۱۳۔ میرے اہل بیتؑ کی مثال تم میں باب حطہ بنی اسرائیل کی مسی ہے جو اس میں داخل ہوا اس کے گناہ بخش دئے گئے۔

۱۴۔ اے علیؑ جو تمھارا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو تمھارا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔

۱۵۔ جو علیؑ کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو میرا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے۔

۱۶۔ جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔

۱۷۔ جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔

۱۸۔ حسینؑ پر میرے ماں باپ قربان میرے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ ان سے محبت کریں۔

۱۹۔ میں تمھارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسرے میرے اہل بیتؑ اگر تم ان سے تسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

۲۰۔ جو مجھ سے نسل کا خواہاں ہے اور یہ چاہتا ہے کہ روز قیامت میری شفاعت کا حقدار بن جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ میرے اہل بیتؑ سے محبت کرے اور انھیں خوش رکھے۔

۲۱۔ علیؑ پر جرم ہدایت اسام اللادلیا، نور صاحبان اطاعت اور اہل تقویٰ کا کلہ پہن اس کا دوست میرا دوست ہے اور اس کا دشمن میرا دشمن۔

ان احادیث کے علاوہ بے شمار حدیثیں ایسی اور بھی ہیں جن میں محبت اہل بیتؑ کی اہمیت

کو ظاہر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ محبت دین کی ضروریات عقل کے فرائض اور محبت رسولؐ

کے لوازم میں سے ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس محبت کی کوئی تحدید نہیں ہو سکتی اور نہ کسی خاص حد کا

اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ محبت اپنے وجود میں مخصوص اسباب و علل کی تابع ہے اور انھیں اسباب

کی بنا پر اس کے درجہ و مرتبہ کا بھی تعین ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ہم ان اسباب و علل فضاہل و

کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ تمام لوگ اپنے علم و عرفان میں مساوی ہی ہو سکتے ہیں تو کسی

ایک حد و مرتبہ کا تعین کس طرح صحیح ہو سکتا ہے بلکہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اگر محبت کے بے شمار

اسباب میں سے کسی ایک سبب کو بھی گہری نظر سے دیکھا جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ خداؑ رسولؐ

اور آل رسولؐ کی محبت کا کوئی درجہ معین نہیں کیا جاسکتا اور اگر آپ کو تعین کا ہی شوق ہے تو

آئیے اہل اطہارؑ کی محبت کے علل و اسباب پر غور کیجئے اور پھر بتائیے کہ یہ اسباب کس حد تک محبت کے مقتضی ہیں۔



۱۔ اہل بیت علیہم السلام سرکار رسالت سے نسب اور داماد یا دونوں طرح کا رشتہ رکھتے ہیں اور سرکار رسالت کا یہ کھلا ہوا اعلان ہے کہ "روز قیامت تمام منہی اور صلیبی رشتے منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے رشتوں کے"۔

۲۔ اہل بیت علیہم السلام کو خدا اور رسول اپنا محبوب سمجھتے ہیں اور تمام مخلوقات سے زیادہ ان سے محبت کرتے ہیں جیسا کہ حدیث "خیر اور حدیث طبرہ وغیرہ سے واضح ہے۔

۳۔ اہل بیت علیہم السلام سے محبت رکھنے والا شخص بغیر اسلام کی اس دعا کا مستحق ہو جاتا ہے "خداوند! ان کے دوست کو دوست رکھ" ان کے مددگار کی مدد کر" ان کے ناصر کی نصرت کر اور ان کے محب کو محبوب قرار دے۔

۴۔ اہل بیت علیہم السلام کی محبت نبض قرآن "ختم نبوت کی اجرت ہے اور اس پر روزِ ازل سے تمام امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

۵۔ اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے بارے میں روزِ حشر قدم قدم پر سوال کیا جائے گا "وقفوا ہم انہم مسئولون" اور بقول ابوسعید خدری "مسئولون عن ولایۃ علی"۔

مفسر کبیر واحدی کا بیان ہے کہ روز قیامت ہر شخص سے علی اور اہل بیت کی محبت کے بارے میں اس لیے سوال ہوگا کہ رسول اکرم نے اپنی تمام خدمات کے عوض میں کسی اجرت کا تقاضا نہیں کیا اور اگر تقاضہ کیا ہے تو صرف اہل بیت سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص سے سوال ہوگا کہ اس نے اہل بیت سے اس طرح محبت کی ہے یا نہیں جس طرح رسول اکرم نے حکم دیا تھا۔

علامہ ابن حجر نے "صواعق محرقة" میں ابوسعید خدری کی روایت کو نقل کر کے واحدی

کے اس جملے کا بھی اضافہ کیا ہے کہ "جس طرح رسول اکرم نے حکم دیا تھا" درحقیقت کثیر روایات واحادیث کی طرف اشارہ ہے جن میں حضور اکرم نے محبت اہل بیت کی تاکید فرمائی ہے۔

ابوسعید خدری کی اس حدیث اور واحدی کی تشریح کو بہت سے علمائے اسلام نے نقل کیا ہے اور بعض نے تو حدیث ثعلبنی سے اس ذیل میں اس طرح استدلال کیا ہے کہ "اللہ روز قیامت تم سے سوال کرے گا کہ تم نے میرے بعد خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

سبیل جوزی نے تذکرہ صفحہ ۱۰ میں اس مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "روز قیامت لوگوں سے دلایست علی کے بارے میں سوال ہوگا"۔

سید آلوسی نے اپنی تفسیر کی ۲۳ ویں جلد کے صفحہ ۸۰ پر آیت مذکورہ کے ذیل میں بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ روز قیامت عقائد و اعمال کے بارے میں سوال ہوگا اور عقائد میں اس رئیس "لا الہ الا اللہ ہے اور بلند ترین عقیدہ ولایت علی کرم اللہ وجہہ ہے۔

۱۔ اہل بیت علیہم السلام قرآن کریم کے ہمسرد ہم پلہ ہیں جیسا کہ پیغمبر اسلام نے حدیث ثعلبنی میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ائمہ ہدایت ہیں "یہی ہمسر قرآن میں انہیں کے ذریعہ انسانی نگرانی سے نجات پاتا ہے اور یہی پاکیزہ زندگی کی رہنمائی کرتا ہے۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام کی محبت ایمان کی علامت ہے جیسا کہ سرکارِ دو عالم کا ارشاد ہے کہ "اے علی! تمہارا دوست نہیں ہوگا مگر مومن اور تمہارا دشمن نہیں ہوگا مگر منافق" اس معنوں کی بے شمار حدیثیں ہیں یہاں تک کہ صحابہ کرام نے اسی بات کی مبارکباد دی ہے جیسا کہ یزید بن ابی مرثدہ کے بھائی میں عمر بن خطاب نے کہا تھا "بارک ہو مبارک ہو



میں نے سوال کیا اور سب نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ "آپ کی نبوت اور علیؑ کی ولایت کے طفیل میں۔"

ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کی یہ ولایت جس طرح کسی شخص کو مستثنیٰ نہیں کرتی اسی طرح کسی حالت و کیفیت کو بھی الگ نہیں کرتی 'انسان کسی جگہ ہو کسی عالم میں ہو' اس پر فرض ہے کہ وہ علیؑ کی محبت کو سینے سے لگاٹ رہے۔ حالات کی تبدیلی سے نفعیاتی کیفیات کا تبدیل ہونا ایک الگ بات ہے لیکن اہل بیت کی محبت میں ذرہ برابر بھی فرق کا پیدا ہونا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

۹۔ اہل بیت علیہم السلام کی محبت 'جملہ اعمال و عبادات و صلوات و طاعات اور حج و صیام وغیرہ میں ایک' شرط کی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ اکثر حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔  
۱۰۔ اہل بیت علیہم السلام میں ذاتی طور پر محبت کے جملہ اسباب و عوامل پائے جاتے ہیں۔ یہ اصل دسل کے ظاہر حسب و نسب کے طیب 'علم و حکمت کے مخزن' زہد و تقویٰ کے خزانہ اور کمالات و فضائل کے مرکز ہیں اور چونکہ ان کی فضیلتوں کی کوئی حد معین نہیں ہے لہذا ان کی محبت بھی لامحدود ہونی چاہیے۔

ان تمام مذکورہ عوامل و اسباب کے علاوہ اور بھی ایسے بے شمار اسباب ہیں جن میں ہر سبب تنہا ایک مستقل محبت کا داعی ہے جو دلوں میں گہر کر لیتا ہے اور نفوس کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ اور ان سب باتوں سے بالاتر بات یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام دنیا والوں کے لیے نجات کا ذریعہ ہیں 'ان کا ابر کرم عام ہے' ان کی برکتیں لامحدود ہیں 'یہ زمین و آسمان کے لیے وجہ بقا ہیں۔ ہر طبقہ انسانی ان کے چرچ کے سائے میں امن و سکون کی زندگی گزار سکتا ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو اب تک دنیا قیامت سے مگر اگر تباہ و برباد ہو گئی

یا علیؑ آج آپ میرے اور ہر مومن کے مولا ہو گئے۔"

یہی بات محب الدین طبریؒ 'دارقطنیؒ اور ابن السمان وغیرہ نے اس واقعہ کے ذیل میں لکھی ہے کہ دو اعرابی باہم جھگڑا کرتے ہوئے آئے اور انھوں نے حضرت علیؑ سے کہا۔ یا ابو الحسن! آپ ہم دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجیے۔ آپ نے فیصلہ کر دیا تو ان میں سے ایک نے طنز یہ بچہ میں کہا "یہ ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے" بس یہ سننا تھا کہ عربی خطاب کو غضب آگیا۔ جھپٹ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور کہا "خدا تجھ پر لعنت کرے" جانتا ہے یہ کون ہیں؟ یہ میرے اور ہر مومن کے مولا ہیں۔ جو انھیں مولا نہیں مانتا وہ مومن نہیں ہے۔"

حضرت علیؑ کی محبت تمام افراد امت پر بلا استثنا واجب ہے اور ان میں اولیا و علماء و صدیقین شہداء نیز صالحین بھی شامل ہیں۔ اس بات کا صحیح اندازہ حاکم نیشاپوری کی نقل کردہ اس روایت سے ہوتا ہے جو انھوں نے 'کتاب الموفات' میں ابن مسعودؓ سے کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا 'اے عبد اللہ میرے پاس ایک سنگ آیا اور اس نے کہا "اپنے پیٹے آنے والے رسولوں سے سوال کرو کہ انھیں کیوں سوٹ کیا گیا ہے؟ تو میں نے سب سے سوال کیا اور سب نے جواب دیا کہ آپ کی محبت اور علیؑ کی ولایت کی بنیاد پر۔"

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے اس حدیث کو یوں نقل کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم نے فرمایا "جب مجھے سوانح میں لے جایا گیا تو میں نے جو حقے آسمان پر یا نبوت کا ایک محل دیکھا جبریلؑ نے کہا یہ بیت المکرم ہے 'اس میں نماز پڑھئے۔ اس کے بعد خدا نے تمام انبیاء کو جمع کر لیا اور وہ سب میرے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے میں نے نماز پڑھائی۔ جب سلام سے فارغ ہوا تو ایک ناسخہ الہی آیا اور اس نے کہا "اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان انبیاء سے سوال کیجئے کہ انھیں نبوت کا منصب کیوں دیا گیا ہے؟



اور زبان کے لعنت شلاکات کشوری ہیں تبستر کے معنی نفرت کرنا، بیزاری کا اظہار کرنا یا بیزار ہونا تحریر کئے گئے ہیں جبکہ فیروز اللغات وغیرہ میں تبستر کے معنوں میں بے تعلقی اختیار کرنا، نفرت کرنا اور لعنت بھیجنا وغیرہ مرقوم ہے۔ اسی طرح لعنت کے معنوں میں نفرت، پھٹکار، بڑا بھلا کہنا، کنراہ کشی اختیار کرنا، نفرت کرنا، بددعا کرنا اور رحمت خداوندی سے دوری وغیرہ مرقوم ہے۔ اور یہی بات ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں کہ تبستر اور برادرت سے مراد خدا و رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ کے تمام دشمنوں اور ان کے دوستوں کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا ہے جن میں سرفہرست وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے محمدؐ و آل محمدؐ پر مظالم کے دروازے کھولے اور ان کے حقوق پر ڈاکے ڈالے اور اس زمرہ میں وہ چھوٹی بڑی شخصیات بھی آتی ہیں جو خدا اور اس کے رسول کے لیے بیزاری کا سبب بنیں یا آل رسول کے لیے اذیتوں کا باعث قرار پائیں اور اس سے گناہ اور گنہگاروں کو دشمن سمجھنا بھی مراد ہے کیونکہ عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں سے دوستی تو فی میں شامل ہے۔

ان دونوں واجبات خدا کی اہمیت اور عظمت کے بارے میں جن کا شمار ارکان دین میں ہوتا ہے بہت سی قرآنی آیات موجود ہیں جنہیں ہم آئندہ صفحات میں اجمالی طور پر پیش کریں گے۔ اختصار کو نظر میں رکھتے ہوئے یہاں فی الحال تبرکاً ائمہ اہل بیت کی چند احادیث پر اکتفا مناسب ہے۔

اسام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:-

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اول نماز، دوسرے روزہ، تیسرے حج چوتھے زکوٰۃ اور پانچویں ولایت۔ اور ان چیزوں میں سے کسی کے بارے میں اس

ہوئی چنانچہ علامہ عزیزی بھی ”سراج“ جلد ۳ کے صفحہ ۴۱۶ پر ایک روایت کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ:-

”جب ساری کائنات رسول اکرمؐ کے طفیل میں خلق ہوئی ہے تو اس کی بقا بھی یقیناً آپ کے اہل بیت سے وابستہ ہوگی“

محمدؐ و آل محمدؐ کی حیات ظاہرہ اور سیرت طیبہ میں محبت کے اسباب و عوامل پر غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ آسان ہو جاتا ہے کہ ”تولی“ اور ”تبستر“ دونوں ہی جزو اسلام و ایمان اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ نہ تولی کے بغیر تبستر ممکن ہے اور نہ ہی تبستر کے بغیر تولی کی شرط پوری کی جاسکتی ہے کیونکہ قانون نفرت کے مطابق انسان جب کسی سے والہانہ محبت کرے گا تو اس کے مخالفین یا دشمنوں سے نفرت، بیزاری اور بے تعلقی کا اظہار بھی کرے گا اور اسی مسلم الثبوت قانون کے تحت شدید حضرات خدا کے بعد محمدؐ و آل محمدؐ سے بے پناہ محبت بھی کرتے ہیں اور دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ سے اپنی دلی نفرت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نفرت و بیزاری کے اظہار کی آخری منزل لعنت و ملامت ہے۔

## تبستر اور لعنت کی معنوی حیثیت

تبستر ”باب تفعّل“ سے آیا ہے۔ اس کے معنی برادرت چاہنا ہے یعنی فلاں — فلاں — فلاں سے میں دوری چاہتا ہوں اور اس بات کا خواہشمند ہوں کہ اللہ کی رحمت اُن سے دور رہے۔

طرح حکم صادر نہیں ہوا جس طرح ولایت علیؑ کے بارے میں حکم دیا گیا ہے۔  
ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا۔

”دنیا کی بنیاد اہل بیت رسولؐ اور ان کے دوستوں سے دوستی پر قائم ہے اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا اطاعت و اتباع میں شامل ہے۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”حضرت رسول خدا (صلعم) نے اپنے اصحاب سے ایک دن پوچھا کہ ایمان کا سب سے مستحکم رشتہ جو صاحب عمل کو نجات دلائے اور اسے سعادت ابدی پر فائز کرے کون سا ہے؟ اس استفسار پر کسی نے جواب دیا نماز، کسی نے کہا روزہ، کسی نے کہا زکوٰۃ، کسی نے کہا حج اور عمرہ اور کسی نے کہا جہاد۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم لوگوں نے جن چیزوں کے بارے میں بتایا ہے وہ چیزیں اپنی جگہ فضیلت تو رکھتی ہیں لیکن ایمان کے لیے اس وقت تک حکم وسیلہ نہیں بن سکتیں جب تک ایمان کی بنیاد خدا اور اس کے رسولؐ سے دوستی اور خدا اور رسولؐ کے دشمنوں سے بیزاری پر نہ ہو۔“

”قوانین اسلامی کے ذیل میں امام رضا علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ۔“

”جن لوگوں نے محمدؐ و آل محمدؐ پر مظالم ڈھائے ہیں ان سے بیزاری واجب ہے۔ کمیشن فاسطین اور مارتین لینن جنگ جمل میں حضرت علیؑ سے لڑنے والوں، صفین میں سادیہ کی طرف سے جنگ کرنے والوں اور نہروان کے خارجیوں سے بیزاری اور اسی طرح ان لوگوں سے بیزاری جنھوں نے ولایت علیؑ سے انکار کیا، واجب ہے۔ اور اس کے برعکس حضرت علیؑ کا اتباع کرنے

۱۰۲۰۰ اصول کافی ج ۲ ص ۱۸ ۱۰۳۰۰ اصول کافی ج ۲ ص ۱۲۵ ۱۰۴۰۰

والوں مثلاً سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، ابو لعیشہ، سہیل بن حنیف، عبادہ بن صامت، ابو ایوب انصاری، خزیمہ بن ثابت اور ابو سعید خدری وغیرہ سے دوستی واجب ہے۔“

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا۔

”جو شخص حالت ایمان میں خدا سے ملاقات کا مشتاق ہو وہ آل رسولؐ سے محبت اور دوستی رکھے اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرے۔“

صادق آل محمدؐ کی ایک حدیث یہ بھی ہے۔

”قیامت کے دن مادی نادارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے خدا اور رسولؐ اور اہل بیت کی مخالفت اور ان سے مزاحمت کے طے طریقے اپنائے تھے۔ اس پر کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کے چہروں پر گوشت نہیں ہوگا اور وہ اقرار کریں گے کہ ہم نے خدا اور رسولؐ کو آزرہ کیا، ان کی مخالفت کی اور ان کے اہل بیت سے دشمنی کے مرکب ہوئے۔ اس پر حکم ہوگا کہ انھیں اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔“

اس مختصر سی گفتگو میں ”تبرا“ اور ”لعنت“ کی منوی حیثیت پوری طرح اجاگر اور حقیقت مکمل طور پر آشکار ہے مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

## بے بنیاد تہمت

مستی مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ فہمی کی بنا پر ”تبرا“ اور ”لعنت“ کو گالیوں

۱۰۵۰۰ عیون اخبار الرضا ص ۲۶۸ ۱۰۶۰۰ اصول کافی ج ۲ ص ۱۳۶



تے تعبیر کرتا ہے اور اس کے ارتکاب کے سلسلے میں شیعوں کو مورد الزام قرار دے کر ان پر یہ ہے بنیاد تہمت لگاتا ہے کہ "تبرکائی آڑ میں شیعہ حضرات گالیاں بکتے ہیں۔"

اس اتہام کے ذیل میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ "گالیاں تو درکنار شیعہ مسلک میں "گانے بجانے" یا آلات ہنسا سے لطف اندوزی کو بھی ایک غیر شرعی مذہب اور حرام فعل قرار دیا گیا ہے لیکن اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ شیعہ حضرات ان ناپسندیدہ عناصر پر لعنت سلامت ضرور کرتے ہیں جن پر لعنت کرنے کا حکم خدا اور اس کے رسول نے دیا ہے یا پھر وہ لوگ شیعوں کی لعنت کا نشانہ بنتے ہیں جو منافقت کی نقاب اپنے چہروں پر ڈال کر اپنے مفاد کی خاطر داخل اسلام ہوئے اور اپنے منافقانہ طرز عمل سے اسے تہمتیں نہیں کر دیا یا وہ لوگ بد سلاامت بنتے ہیں جنہوں نے رسول اسلام کے بعد اسلامی اقتدار کو غصب کیا اور آل رسول کی زندگیوں میں زہر گھولا انہیں طرح طرح کی ازمتیں دین ان پر منہالم کے مسلسل پہاڑ توڑتے انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا اور حضور اکرم کے نواسوں کو بے دردی اور بے رحمی سے قتل کیا۔

گالیاں بکتے کے سلسلے میں شیعوں پر عاید کی جانے والی اس تہمت کے پس پردہ منجملہ دیگر وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ منافقین اہل کی متا زرد ابو سفیان کے بیٹے معاویہ کے دور حکومت میں پیغمبر اسلام کے حقیقی جانشین چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام پر سنسٹر ہزار منبروں سے برسرا عام سب و شتم کیا جاتا تھا اور ان کے قریبی عزیزوں کے سامنے انہیں گالیاں دی جاتی تھیں لہذا معاویہ کے پیرو اور ہمہوا اس کے داغدار اس سے گندگی کے اس بدنام داغ کو دھونے کے لیے شیعوں پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ شیعہ صحابہ کی شان میں گالیاں بکتے ہیں حالانکہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ معاویہ صاحب نے جس انداز

میں تبرکائیوں کی شکل میں تبدیل کیا وہ ان کا ذاتی کارنامہ ہے جس کی مثال اسلامی تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ اس ذیل میں مولانا سید ابوالحسن مودودی رقمطراز ہیں کہ:-

"یہ ایک نہایت منکرہ بدعت معاویہ کے عہد میں شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطیوں میں برسر منبر حضرت علی بر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتے دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے کسی کے منہ کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جہد کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین اور اخلاق کے لحاظ سے سخت گنہگارنا فعل تھا۔"

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ معاویہ صاحب نے اپنے دور حکومت میں لفظ تبرکائی کو گالیوں کے پیکر میں اس طرح ڈھالا کہ ان کے اور ان کے گورنروں کے سامنے نہ مسجد نبوی کی کوئی عظمت رہ گئی نہ منبر رسول کا احترام باقی رہا نہ حضور کے روضہ اقدس کی منزلت رہ گئی اور نہ ہی نماز جمعہ کی فضیلت برقرار رہ سکی اور غالباً انہیں افسوسناک حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سرکارِ دو عالم نے واضح الفاظ میں یہ فرمادیا تھا کہ:-

"گالی دینے والوں پر خدا نے جنت کو حرام قرار دیا ہے اور اگر گالیوں کے مرتکبین کی چھان بین کی جائے تو یقیناً وہ زنا زادے ثابت ہوں گے یا پھر ان کے نطفوں میں شیطان

سے خلافت و ملکیت ص ۱۶۲ بحوالہ طبری ج ۴ ص ۱۸۸ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۳۲ ۱۵۴

البدایہ ج ۸ ص ۲۵۹ ذج ۹ ص ۸۰

کی شرکت کا پتہ چلے گا"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:-

"گالیاں دینے والا شخص جفا کا رہے اور جفا کا ہر حالت میں جہنم کا سزا دار ہے"۔  
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:-

"گالیاں دینے والا ظالم ہے اور وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کا گناہ بھی اپنی گردن پر لے لیتا ہے"۔

جو انسان اسلام کی تاریخ سے ذرا بھی واقف ہو گا وہ اس سچائی کو تسلیم کرے گا کہ "گالی آمیز تبرا" سادیہ کی ایجاد ہے جسے نبی امیر کے بیشتر خلفائے جاری رکھا پھر دور نبی عباس میں بھی اس کا اعادہ کیا جاتا رہا لیکن بد کے سلاطین نے اس میں اتنی تیرہی کر دی کہ وہ علی کے بجائے علی کے پیروں کا نام لینے لگے چنانچہ تبرا کی محفلیں آراستہ کی جاتی تھیں۔ ایک شخص تبرا پر جاتا تھا اور آواز لگاتا تھا "فلاں ابن فلاں رافضی بود" حاضرین جواب دیتے تھے "بر پدرش لعنت"۔ اس طرح صدیاں گزرتی چلی گئیں اور غلامانِ علی یہ سب دیکھتے اور سنتے رہے۔ آخر وہ وقت بھی آیا کہ انتزاع سلطنت عباسیہ پر جہاں مختلف حصوں میں جد آگاہ سلطنت قائم ہوئیں وہاں ایشیا و افریقہ میں بعض جمہور بڑی شیعہ حکومتیں بھی وجود میں آگئیں۔ شیعوں کے صبر و ضبط کا پیمانہ ہر عہد میں چمکتا رہا مگر انہیں مجبوراً تبرا کی آوازیں سننا پڑی تھیں اب جو اظہارِ خیال کی آزادی ملی تو انہوں نے نام بدل کر تبرا خوانوں کی آوازیں میں آوازیں ملا دیں اور ان کی آواز بازگشت اطراف و جانب میں سنائی دینے لگی۔ اب شیعوں پر جنگ صلیب کا الزام بھی عاید

۱۔ اصول کافی باب البذاءۃ ج ۲ ص ۳۲۳ ۲۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۶۰

کر دیا گیا گویا ان صحابہ کی بڑی قیمت تھی اور علی کی کوئی قیمت نہ تھی۔

شام کی مملکت میں حضرت علی پر تبرا ہونے کا ذکر بیشتر مورخین نے کیا ہے اور اسی لیے حضرت امام حسن نے سادیہ سے صلح کی شرطوں میں یہ شرط بھی رکھی تھی کہ آئندہ حضرت علی پر سب شتم نہیں کیا جائے گا مگر سادیہ نے اس کے بالکل برعکس عمل کیا اور حضرت علی سے اظہارِ برائت کو اپنی بیعت کا جزو بنا لیا۔ اس پر بنی تمیم کے ایک شخص نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:-

"ہم زندوں کی اطاعت کریں گے مگر مردوں سے برائت نہیں کریں گے"۔

اس پر سادیہ زیادہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا اس شخص کو اچھالی کی طرف وصیت کر دیا چنانچہ زیاد نے اس کو اسی وقت قتل کر دیا۔

یہ ہے تبرا کی مختصر روداد۔ لیکن مترضین اگر اسی بات پر بضد ہیں کہ تبرا میں شیعہ گالیوں کا استعمال کرتے ہیں تو انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اسلام کا کلمہ "لا الہ الا اللہ" بھی (سوا اللہ) گالی ہے کیونکہ یہ کلمہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو خدا کے واحد کے اقرار اور دیگر تمام جمہور کے اور خود سافقہ خداؤں سے انکار ان سے برائت یعنی تبرا کی ترمیم دیتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ استغفر اللہ خدا بھی گالیاں کہتا ہے کیونکہ قرآن اسی کے کلام کا مقدس ترین مجموعہ ہے اور جب کسی مسلمان کے ذہن میں گالیوں کا یہ تسلسل پیدا ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا اسلام خود بخود ختم ہو جائے گا۔

اور اگر مترضین کی طرف سے یہ تاویل پیش کی جاتی ہے کہ "انکار اور" تبرا میں فرق ہے تو کلمہ رد شرک اس تاویل کو ہوا میں اڑا دے گا جس میں ارشاد ہوا ہے کہ:-

۱۔ عقد الفرید ج ۲ ص ۳۳۱



اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْإِشْرَاقِ بِكَ شَيْئًا زَانًا أَعْلَمُ  
بِهِ وَاسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ بِهِ قُبْتُ عَنْهُ وَتَبَرَّاتُ الْإِشْرَاقِ  
وَبِعَصَايَ كُلِّهَا

”خداوند! میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک کروں  
اور میں استغفار و توبہ و تبرّات کرتا ہوں شرک اور عصیاں سے۔“

## تبرّات کی تاریخی حیثیت

تاریخیں گواہ ہیں کہ ”بغض علی“ میں ”گالی آمیز“ تبرّات معاویہ ابن ابوسفیان کی ایکاد ہے  
اور شیعیان علی اس لعنتی ایما کو تقریباً تین سو سال تک انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ برداشت  
کرتے رہے۔ اس کے بعد وقت کی تدریجی ترقی کے ساتھ جب حقیقی معنوں میں باقاعدہ شیعہ حکومت  
کا قیام عمل میں آیا تو معاویہ ولد نے باقی ماندہ خلفاء کی قوتوں کو ختم کرنے کے ساتھ ہی بغداد میں  
شیعیت کی تبلیغ بھی شروع کر دی اور ۳۵۰ھ میں بغداد کی جامع مسجد کے بیرونی پھاٹک پر  
یہ عبارت لکھوائی کہ:-

”معاویہ بن ابوسفیان“ غاصبین فک“ امام حسنؑ کو رد و ضلّہ رسولؐ میں دفن کرنے سے  
روکنے والوں ابوذر غفاریؓ کو جلا وطن کرنے والوں اور عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کرنے والوں  
پر خدا کی لعنت ہو۔“

یہ پہلا جوابی اقدام تھا جو کسی شیعہ کی طرف سے معاویہ اور اس کے بعد کی استبداد کو  
کی طرف سے جاری شدہ اس ظالمانہ روش کے خلاف کیا گیا تھا جو حضرت علیؑ اور شیعیان علیؑ سے

متعلق تھے اور جسے اس دور کے ظالم و جابر حکمران تبرّات کے نام سے موسوم کرتے تھے اسے روکنے کی  
طاقت بھی اس وقت کے خلیفہ میں نہیں رہ گئی تھی لیکن اس کے باوجود کسی سستی نے رات کی تاریکی  
میں معاویہ ولد کی لکھوائی ہوئی اس عبارت کو کھرچ کھرچ کر مٹا دیا۔ معاویہ ولد کو معلوم ہوا تو پھر اس  
نے اس عبارت کو لکھوانے کا حکم دیا مگر اس کے ذریعہ پہلی نے اسے یہ مشورہ دیا کہ صرف سعادہ کا نام  
باقی رکھا جائے اور اس کے نام کے آگے ”ذوالنظالمین لآل محمد“ یعنی آل محمد پر ظلم کرنے والوں کا فقرہ  
بڑھا دیا جائے چنانچہ معاویہ ولد نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور اس کے ذریعے اس مختصر سی تبدیلی کے  
ساتھ جامع مسجد کے پھاٹک پر تبرّات کی عبارت لکھوا دی۔

معاویہ ولد نے شیعوں کو صرف یہی ایک فائدہ پہنچایا تھا کہ انھیں مذہبی آزادی مل  
گئی تھی اور ان پر ظلم و ستم بند ہو گیا تھا مگر اتنی ہی آزادی اس کے دور میں شیعوں کو بھی حاصل  
تھی یہاں تک کہ جب دونوں فریقے متصادم ہوئے تو حکومت نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔

گزشتہ صدی سے شیعہ فرقہ کو شائستہ تبرّات پر اس لیے مجبور ہونا پڑا کہ محمد و آل  
محمدؐ پر کچھ اچھالی جارہی ہے۔ مشرکوں اور بے دینوں کے اعمال کو عین اسلام قرار دیا  
جا رہا ہے لہذا ضرورت ہے تاریخ کی وہ تصویر دکھانے کی کہ جس سے ”خیر و شر“ کے خدوخال  
واضح ہو سکیں تاکہ ہماری جوان نسل اپنے ماضی سے نا آشنا نہ رہے۔

تاریخ کے تدریجی ارتقاء پر اگر ایک اچھٹی ہوئی نظر ڈالی جائے تو ہر منزل پر ”الٹا  
چوڑ کو توال کو دانشا نظر آتا ہے۔ سقیفہ میں جو کچھ ہوا اگر اتنے ہی پر اکتفا کی جاتی تو عرب کے  
پورے نشیں پیغمبر کی اولاد صبر و شکر کے ساتھ رشد و ہدایت کی فیض رسانی کر کے اپنی نسلیں گزرتی  
رہتی اور شاید دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ فرمانروائی کی وراثت کس نے چھینی اور سجادہ نبوت کی  
نمائندگی کا اعزاز کس کو ملا۔ لیکن ستم یہ ڈھایا گیا کہ بزدلوں کو بہادر، چھوٹوں کو سپاہ اور منافقوں



اصول و فروعات فقہ پر کوئی حرج نہیں آیا تھا کیونکہ ہر زمانے میں شیعوں کا امام موجود تھا جس کو  
اباب سیاست نے محسوس کیا تو مقابلہ کی فقہ اور امام دونوں بنادے اور اہلسنت والجماعت کو  
تشکیل دے کر اسے مقابل لاکر کفر کر دیا۔

اس کے بعد کوئی نہیں جھوٹا کہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ آنحضرتؐ سے ماموں کے دور تک  
ہم جو کہتے آئے ہیں کیا اس کے علاوہ اب کچھ اور کہتے ہیں۔ اس کے برعکس دور بنی امیہ میں جہم بن صفوان  
نے کیا کہا؟ عہد عباسیہ میں واصل بن عطاء کے نظریات کیا تھے؟ اور پھر حکومت ساز امام اعظم  
کے ارشادات کیا تھے؟ لیکن ان سے ہمارے اختلافات اتنے شدید نہ تھے جتنے کہ آگے چل کر الاشعری  
اور امام احمد بن حنبل کو قیامت و ترسیمات سے ہوئے اور وہابی مسلک کے بعد تو سنیہ بھی جھوٹے  
اور سنی بھی جھوٹے۔ کیونکہ وہابیت نے دونوں کے نظریات توحید اعتقاد رسالت اور دوسرے ہر فرقہ  
کو باطل قرار دے دیا ہے۔ اگر ان کی فکری اور تاریخی تحقیق کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا تو ایک دن  
خدا بھی مادیت کے سانچے میں ڈھل جائے گا اور عبادیہ و یزید پیروی کی سطح کو چھوئے لگیں گے۔

## تبرہ کی قرآنی حیثیت

(۱) اَذْتَبَرُوا الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا رَأَى الْعَذَابِ لِقَطْعَتِ  
بِهِمُ الْاَسْبَابِ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا  
وَأَمَّا كَذَلِكَ يُبَيِّرُهُمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ  
بِمُتَابِعِينَ مِنَ النَّارِ (البقرہ ۱۶۶-۱۶۷)

وہ کیا سخت وقت ہو گا جب پیشوا لوگ اپنے پیروں سے تبرہ کر دیں گے اور عذاب کو دیکھیں

کو کھرا مسلمان ثابت کرنے کے لیے ظلم کا دروازہ کھول دیا گیا اور جب خلافت مدینے سے دمشق اور  
بند و منتقل ہوئی تو حواریوں کا قتل عام ایک معمول بن گیا۔

عوام آج کی طرح شروع ہی سے ان پڑھ اور کانوں کے کچے رہے ہیں اور ان کا حافظہ  
ہمیشہ کمزور پایا گیا ہے۔ یہ راز گنبد اسلام کے پڑھتوں کو معلوم تھا لہذا روزِ آدل سے یہ پالیسی  
اختیار کی گئی کہ صرف سامنے کی باتیں عام لوگوں کو بتائی جائیں اور اصل خبر و خیال کو پوشیدہ  
رکھا جائے چنانچہ اسی پالیسی پر آج تک عمل ہو رہا ہے اور اپنے محبوب کرداروں کو بدلی ہوئی  
شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ظلم کا مذمہ دار مظلوم کو اور قتل کا سزا دار مقتول کو ٹھہرایا جاتا تھا اور کچھ  
بھی یہ سلسلہ برقرار ہے۔ کیا حضرت علیؑ اور ان کی اولادوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک روا  
رکھنے والے درگزر کے لائق ہیں؟ اور اگر اس کے بعد بھی کوئی علیؑ کے ان دشمنوں کی قصیدہ خوانی  
کرنا ہے تو کیا اس کو علیؑ کا نام لینے کا حق رہ جاتا ہے؟ یقیناً وہ بھی علیؑ کا دشمن قرار پائے گا اور  
علیؑ کے دشمن کے لیے حضورؐ کی جو حدیث ہے وہ اس پر صادق آئے گی۔

بہر حال یہ تبرہ سننے والے سنتے رہے اور اس کی آواز تاریخ کے ایوانوں میں گونجتی رہی  
مگر جب شیعوں نے اسی پہرے میں طبع آزمائی کی تو سب چیخ پڑے اور ہر طرف سے بدعت کے  
قندے صادر ہونے لگے۔

فقہ کی تاریخ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ شیعہ فقہ اور شیعیان علیؑ روزِ آدل سے وجود  
تھے اور دسویں صدی تک تعداد سے قطع نظر مسلمانوں میں صرف وہ گروہ پائے جاتے تھے۔ ایک  
علیؑ کا دوست اور دوسرا علیؑ کا دشمن۔ دونوں صورتوں میں محورِ علیؑ ہی کی ذات تھی۔  
ظلم و ستم کے دھارے میں شیعوں کی تعداد تو نہ ہونے کے برابر رہی تھی لیکن شیرازہ بندی اور



گئے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور پھر کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں بھر پلٹنا نصیب ہوا تو ہم بھی ان سے اسی طرح تبرا کر دیں گے جس طرح یہ اس وقت ہم سے تبرا کر رہے ہیں یوں ہی خدا ان کے اعمال کو دکھائے گا جو سنا پنا یا سہی یا س ہیں اور وہ دوزخ سے نکلنے نہیں پائیں گے۔

قرآن مجید کی یہ آیت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ وہ لوگ جو دنیا میں حقیقی پیشواؤں کا دامن چھوڑ کر خود ساختہ پیشوا خود بھی بن جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنا مربی بنا کر انھیں گمراہی کے راستے پر ڈال دیتے ہیں ان کے اور ان کے مربیوں کے درمیان برزخ قیامت جہنم کے تبرا سے بازی ہوگی جس کو پروردگار عالم اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان کے اعمال بدکا حصلہ یہ ہو گا کہ ان پر تبرا کیا جائے گا اور انھیں اس کا مزہ چکھنا ہو گا۔ پیشوا اپنے پیروں پر تبرا کر کیسے اور پسند نہیں گئے کہ کاش ہم دنیا کی طرف پھر پلٹا دے جائیں تو ہم بھی وہاں ان خود ساختہ پیشواؤں پر اسی طرح تبرا کر دیں جس طرح وہ ہم پر یہاں کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تبرا اللہ کی نظر میں کوئی ناپسندیدہ فعل نہیں ہے اگر ہونا تو وہ یہ ہرگز نہ کہتے کہ ایسے لوگوں کے اعمال کا حصلہ تبرا کے ذریعہ دیا جائے گا۔

(۲) قال الذین حق علیہم العتول ربنا ہوا لاء الذین اعنوبنا اعنوبنہم اکما عنونا نبنا تبرا منا الیک (القصص ۶۳)

”وہ لوگ جو ہمارے عذاب کے ستمی ہو چکے ہیں برزخ قیامت کہیں گے کہ پروردگار! یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے گمراہ کیا۔ اب ہم تیری بارگاہ میں ان لوگوں سے تبرا کرنے میں اور ان سے دوری پانے میں۔“

اس آیت کے ذیل میں بعض سنی علماء یہ کہتے ہیں کہ اس میں غیر ستمی پیشواؤں اور ان کے پیروں کا تذکرہ ہے، چھبے اور نیک لوگوں سے تبرا کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا یہ معنی جواب پہنچتا

کہ شیعہ بھی تو غیر ستمی پیشواؤں سے تبرا کرتے ہیں اور جو ستمی پیشوا ہیں ان سے توئی شیعوں کے نزدیک جزو ایمان ہے۔

(۳) ”وما کان استغفار ابراہیم لابیه الا عن موعده وعدہا اتیا لا ملما تبین لہ انہ عدا وللہ شبرا منہ ان ابراہیمہ لا ولا کا حلیہ“

(توبہ ۱۱۴)

”حضرت ابراہیم کا اپنے چچا (آذر) کی مغفرت کے لیے دعا کرنا اس وعدہ کے تحت تھا کہ جو انھوں نے اس سے کیا تھا لیکن جب انھیں معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انھوں نے اس سے تبرا کیا اور علیحدگی اختیار کی۔“

اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہے کہ حضرت ابراہیم حبیبہ حبیب اللہ اور اولوالعزم پیغمبرؐ نے بھی بڑے اور ناپسندیدہ لوگوں سے تبرا کیا ہے لہذا سیرت پیغمبری کے تحت شیعہ حضرات بھی بڑے اور ناپسندیدہ لوگوں سے تبرا کرنے میں۔ ایسی صورت میں کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ شیعوں کے اس فعل پر اعتراض کرے یا انھیں اس ستمی فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔

مذکورہ آیت سے یہ امر کوئی نیا واقعہ ہے کہ تبرا کوئی گالی نہیں ہے، اگر پروردگار عالم کی نظر میں تبرا کی حیثیت گالی کی ہوتی تو وہ اس کا ذکر ہرگز قرآن مجید میں نہ کرتا اور نہ ہی پیغمبر اسلامؐ یہ ارشاد فرماتے کہ اللہم ائی اب تبرا من صنم مخالفہ من ولیہ یعنی پالنے والے میں خالد بن ولید کی کارگزاریوں سے تبرا کرتا ہوں۔ پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث بخاری میں موجود ہے۔

## جواز لعنت قرآن وحدیث کی روشنی میں

لعنت کا لفظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے مثلاً "لعنت اللہ علیٰ اسکاذبین" اور "لعنة الله على الظالمين" یعنی جھوٹوں پر لعنت اور ظالموں پر لعنت وغیرہ۔ لیکن یہاں پر ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے خود تو لعنت کی ہے مگر اس سے دوسروں کو لعنت کرنے کا حکم کہاں دیا ہے۔ اس اشتباہ کو قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ کے ساتھ دور کیا ہے۔

"اولئک جزاؤہم ان علیہم لعنة الله والملائكة والناس اجمعین" (آل عمران، ۸۰)

ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر خدا، فرشتوں اور دنیا و جہان کے تمام لوگوں کی لعنت ہے)

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ۔

"ان الذین کفروا وما تواروا هم کفار اولئک علیہم لعنة الله والملائكة والناس اجمعین" (بقرہ ۱۶۱)

(جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ ان پر خدا کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے)

ان دونوں آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگر فرشتوں اور ان تمام لوگوں کو جن کا شمار مخلوق خدا میں ہے لعنت بھیجنے کا حکم دیتا تو قرآن نہ کہ یہی ذکر تا جگہ یہ کہا جاتا کہ آخر ان فرشتوں اور دیگر

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بھی لعنت بھیجنے لگے ہیں۔ اس انداز سے ذکر نہ کرنا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ نگاہ قدرت میں یہ عمل عمدہ و حق ہے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لعنت کا استعمال غیر خدا کو بھی حاصل ہے جس میں فرشتے اور انسان نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ شاید اسی لیے پیغمبر اسلام نے خود بھی مستحقین پر لعنت کی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مرقوم ہے "قال النبی ﷺ لعن شیئہ بن ربیعہ وعتبہ بن ربیعہ وامیہ بن خلف" یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا لعنت کرے شیئہ بن ربیعہ پر عتبہ بن ربیعہ پر اور امیہ بن خلف پر

اب اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے تو صرف کفار پر لعنت کی ہے مسلمانوں پر نہیں کی تو نصائح کا فیہ میں اس شبہ کو بھی دور کر دیا گیا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اگر لعنت کا حقدار ہے تو اس پر لعنت ضرور کی جائے گی۔ عبارت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ "فد لعن النبی استخاضا ستاحاھم و ما اتوا علی الاصلاح کابی سفیان بن حرب و سہیل بن عمرو و عمر بن عاص و ابن مردان و غیرہم و لعن عمر بن الخطاب خالد بن ولید میں قتل مالک بن نویرہ" یعنی آنحضرتؐ نے چند اشخاص پر لعنت کی ہے درآئیکہ وہ مسلمان مرے جیسے کہ ابوسفیان بن حرب سہیل بن عمرو و عمر بن عاص اور ابن مردان وغیرہ اور عمر بن خطاب نے لعنت کی ہے خالد بن ولید پر جب اس نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔

پیغمبر اسلامؐ نے مردان کے باپ حکم پر لعنت کا حرب استعمال کیا ہے جبکہ مردان اس کے صلیب میں تھا جیسا کہ صاحب تاریخ الخلفاء نے لکھا ہے کہ "قالت عائشة و لکن رسول اللہ ابامردان و مردان فی صلیبہ فردان یغنی من لعنت اللہ" یعنی عائشہ فرماتی ہیں کہ

سہ بخاری کتاب الحج ص ۲۶ مطبوعہ مصر سہ نصاب کا تاریخ اص البیہ سہ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۲ اتمہ حالات سادہ مطبع مجیدی کا پتہ



اس وجہ سے ایک کہنے سے منع کرتے تھے کہ اس دن حضرت علیؑ ایک لیک کہا کرتے تھے ملہ اور علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ عادی نے سمرہ کو جب بصرہ کی گورنری سے معزول کیا تو سمرہ نے کہا خدا لعنت کرے عادی پر اگر میں نے خدا کی اتنی اطاعت کی ہوتی تو وہ مجھ پر یہ عذاب نازل نہ کرتا ملہ مرویہ الذہب میں ہے کہ محمد بن ابوبکر نے عادی کو ایک خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ "انت لعین ابن لعین" یعنی تو بھی ملعون ہے اور تیرا باپ بھی ملعون تھا ملہ ملا علی قاری کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ نے "لعن اللہ عمرو بن عبیدہ" کہہ کر عمرو بن عبیدہ پر لعنت کی ہے ملہ

قرآن، حدیث اور تاریخ کے ان تمام مذکورہ حوالوں سے لعنت کا جواز نہ صرف اجتماعی و انفرادی حیثیت سے بلکہ نام بنام ثابت ہے۔ نہ اس میں انکار کی کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی قسم کی تاویل کی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی قرآنی آیات ایسی ہیں جو لعنت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں مثلاً

۱۔ فمن حاجک فیہ من بعد ما جئتک من العلم فقل نعم لو  
 ۲۔ ابناء ما وابتائکم وبناء ما وبنائکم وافتساکم وافتساکم  
 ۳۔ تبھتل فتبھل لعنة الله على الكاذبين... (آل عمران آیت ۶۱)  
 (مفسرے پاس آنے کے بعد کوئی شخص اگر تم سے محبت کرے تو تم ان سے کہہ دو کہ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ ہم اپنے نفسوں

ملہ کتر العمال ج ۳ ص ۳۰ ملہ تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۹۵ ملہ مرویہ الذہب ج ۶ ص ۶۹ ملہ شرح فقہ اکبر ص ۳۴

کو لائیں تم اپنے نفسوں کو لاؤ پھر ہم سب مل کر گڑگڑائیں اور جموٹوں پر لعنت کریں.....) اس آیت کریمہ کے ذریعہ پروردگار عالم اپنے محبوب ترین رسولؐ کو حکم دے رہا ہے کہ اسے رسولؐ اقوام نصاریٰ سے کہہ دو کہ ہم بھی جموٹوں پر لعنت کریں اور تم بھی کرو۔ اس طرح خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو بھی لعنت کرنے کا حکم دیا ہے اور عیسائیوں کو بھی اس فعل کی دعوت دی ہے۔

۲۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البينات والهدی من بعد بیناتنا لتس فی الکتاب اولیئک یدفعہم اللہ فی عذابہم اللعنون  
 "جو لوگ ہماری روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو چھپاتے ہیں جبکہ ہم نے کتاب میں صاف صاف بیان کر دیا ہے تو ان پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔"  
 (پ ۲ رکوع ۳)

۳۔ ومن یقتل موسیٰ متعمداً فنجز امره جہنم خالد فیہما وغضب اللہ علیہ ولعنتہ واعداً لعذاباً عظیماً (پ ۵ رکوع ۱۰)  
 (جو شخص جان بوجہ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر غضب الہی ہوگا اور اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوتی رہے گی اور اللہ نے اس کے لیے برا عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

۴۔ فقل عسیبتم ان تولیتہم ان تقصد فی الارض وتقطعوا ارحامکم  
 اولیئک الذین لعنہم اللہ فاصمہم واعمی ابصارہم  
 (احقاف آیت ۷)

تم لوگوں سے یہ بات بید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین پر فساد پھیلائے گلو اور اپنے رشتوں کو توڑنے لگو۔ یہاں وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور گویا خود اس نے ان







کا حق ادا کیا ہے اور اس امر کا امیدوار ہوں کہ بروز قیامت جناب فاطمہ زہرا اور حسن و حسین میری شفاعت کریں گے۔

اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس حق گوئی کے جرم میں دشمنانِ آلِ محمدؐ نے عمر ابن عبد العزیز کو زہر دے کر ختم کر دیا تھا۔

## رفض کیا ہے؟

بعض جہلہ رافضیوں کے منوں میں "کسی کو گالیاں دینا" مراد لیتے ہیں جو غلط ہے درحقیقت رافضی کے معنی لغوی اعتبار سے صلاح دہنگی اور دوری اختیار کرنے کے ہیں اور شیعہ چونکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے محبت رکھتے ہیں ان کی اطاعت و پیروی کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے علیحدگی اور دوری اختیار کرتے ہیں اس لیے دوہرہ معادیر سے انہیں رافضی کہا جاتا ہے یا اسے یوں سمجھ لیجئے کہ شیعوں کا رافضیہ ہے کہ وہ رسولؐ اور آلِ رسولؐ پر درود بھیجتے ہیں اور ظالموں و غاصبوں پر لعنت کرنے کے مثبت اور منفی دونوں امور میں اللہ رسولؐ اور فرشتوں کے ہم زبان ہیں یعنی شیعہ جن لوگوں کو ظالم غاصب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا دشمن سمجھتے ہیں ان سے تبرا کرتے ہیں اور ان پر اسی طرح لعنت کرتے ہیں جس طرح خداؐ اس کے رسولؐ اور فرشتوں نے لعنت کی ہے۔

اور اگر حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے محبت یا ان کی مدح کرنے کا نام رافضیہ ہے جن کی مدح میں بقول علامہ جلال الدین سیوطی تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں اور بقول نظام الدین اولیاؒ اور اقرآن علیؑ کی مدح میں ہے تو پھر کسی بزرگ کا یہ منظوم قول بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔

نام حیدر من بخوانم خلق گوید رافضی پس خدا و مصطفیٰؐ جبرئیلؑ باشد رافضی  
ملا نور الدین جامی سلسلۃ الذہب میں فرماتے ہیں کہ:-  
رفضی اگر بہت حب آلِ نبیؐ رافضی فرض است بر فقیر و غنی  
اور امام شافعیؒ کا اعلان ہے کہ:-

"اگر آلِ محمدؐ کی محبت گناہ ہے تو یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جس سے میں کبھی تو نہیں کر سکتا اور اگر آلِ محمدؐ کی محبت کا نام ہی رافضیہ ہے تو تمام دنیا کے لوگوں میں سب سے بڑا رافضی میں ہوں۔"

## تبرا اور لعنت پر عقلی دلیل

عقلی اور منطقی اصولوں کی روشنی میں تبرا اور لعنت کے مترضین کی یہ بات درست نہیں ہے کہ شیعہ حضرات کسی فرقہ کے بزرگوں کو اس لیے برا کہتے ہیں یا ان پر لعنت سلامت کرتے ہیں یا ان سے تبرا کرتے ہیں کہ وہ انہیں نہیں باتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ صرف انہیں لوگوں کو برا کہتے ہیں جو واقعی بُرے تھے یا بُرے ہیں۔

اس ذیل میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی ایسے شخص پر لعنت کرنا اس سے تبرا کرنا یا اسے برا کہنا جو واقعاً بُرا ہے درست ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کسی شخص کو برا کہنے اور برا سمجھنے میں کیا فرق ہے؟

اہل علم حضرات اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ "برے اور بھلے" کے درمیان امتیاز پیدا کرنا جو اس باطنی کام ہے لہذا برے کو بُرا اور بھلے کو بھلا سمجھنے پر انسان فطرتاً مجبور ہے



یعنی پہلے اور بُرے میں تمیز کرنا انسان کا فطری فعل ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہم بُرے کو بُرا نہیں سمجھتے تو اس نہ سمجھنے والے شخص کے بارے میں اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ نفسِ ناطقہ سے محروم اور مجنون ہے نیز اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ بُرا نہ سمجھنے والا شخص اخلاقی اعتبار سے کس حد تک گنہگار اور قابلِ الزام ہے۔

اول تو بُرے کو بُرا نہ کہنے والا خود جہالت میں گرفتار ہو جاتا ہے یعنی جب اس کو معلوم ہو کہ کوئی شخص بُرا ہے تو اس نے اس کو بُرا سمجھ لیا کیونکہ اس کے نزدیک معلوم کرنے اور سمجھ لینے میں کوئی فرق نہیں ہے دوسرے یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جو شخص کسی بُرے آدمی کو بُرا نہیں سمجھتا، بذاتِ خود بُرا ہے یا اچھا؟

اس منزل میں عقل کا فیصلہ ہو گا کہ اول تو بُرے کو بُرا نہ سمجھنے والا شخص بُرا نہ سمجھنے کا اقراء محض زبانی کر رہا ہے ورنہ اس کا دل اس برے شخص کو بُرا ضرور سمجھتا ہو گا۔ دوسرے اگر واقعی اس کا دل بھی اس بُرے شخص کو بُرا نہیں سمجھتا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے بھی برے کاموں کو انجام دیتے دیتے اپنے اندر وہ فطرتِ ثانیہ پیدا کر لی ہے جو کسی برے فعل کو بُرا سمجھنے ہی نہیں دیتی یعنی بُرے کو بُرا نہ سمجھنے والا شخص خود بھی بُرا ہے۔

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ ایک غریب و نادار اور مجبور شخص بھوک کی مصیبت میں گرفتار ہو کر کسی شرک کے کنارے پڑا ہے اور وہ قریب المرگ ہے۔ اتفاقاً دوسرے ایک دردمند اور رحمدل شخص گزرا اور اس نے اس غریب کی حالت پر ترس لکھا کہ اسے کچھ روپے دے دے تاکہ وہ اپنے کھانے پینے کا انتظام کر لے۔ جب وہ رحمدل شخص روپے دے کر چلا گیا تو فوراً ایک لیڑا اور شرعی القلب شخص وہاں پہنچا اور اس نے اس مصیبت زدہ شخص کو مار پیٹ کر یا ڈرا دھمکا کر

وہ روپے اس سے چھین لئے۔ اسی وقت ایک تیسرا شخص بھی وہاں پہنچ گیا اور اس نے اس لیڑے کے اس طرزِ عمل کو بھی دیکھا اور مصیبت زدہ شخص کی فریاد کو بھی سنا۔ اب اہل انصاف خود فیصلہ کریں کہ فطرتاً کیا یہ ممکن ہے کہ تیسرا شخص اس پہلے رحمدل و دروہے مرحمت کرنے والے شخص کو قابلِ مدح و ستائش اور اس لیڑے کو قابلِ نفرت و مذمت نہ سمجھے؟

اس فطری اصول کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ ”اچھے کو اچھا“ اور ”برے کو بُرا“ سمجھنا یا نہ سمجھنا انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے اور نہ ہی یہ امر کسی انسان کی ذاتی خوشی یا ناخوشگی پر موقوف ہے بلکہ فطرتی تقاضوں کے تحت انسان برے کو بُرا اور اچھے کو اچھا سمجھنے کے لیے مجبور ہے اور اسی مجبوری کے تحت اگر وہ تیسرا شخص اپنے نفس کی اصلاح کے لیے اس لیڑے اور ظالم شخص کے افعال سے نفرت کرنے لگے اس کو بُرا کہنے لگے۔ اس کی ذات و کردار سے پناہ چاہیے اس سے دوری اختیار کرے، اظہارِ بیزاری کرے یا اس سے تبرا کرے یا اس پر لعنت کرے تو اس میں غلط کیا ہے؟

اس موقع پر بُرے کو بُرا کہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔ اس لیے محققین کے بعد بُرا کہنے والے شخص کی ہمنوائی اور پیروی میں دوسرے لوگ بھی اس لیڑے کو بُرا کہیں گے اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کریں گے اس کے شر سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں گے اور خود برائیوں سے پرہیز کریں گے۔ اب اسی صورت میں بُرا کہنے والا اور حق بات کا اظہار کرنے والا شخص قابلِ ستائش ہے یا قابلِ اعتراض؟ یقیناً ہر انصاف پسند انسان یہی فیصلہ کرے گا کہ اس لیڑے کو بُرا کہنا محض اخلاقی فرض ہی نہیں بلکہ ایک طرح کی مذہبی عبادت بھی ہے اور ایسے مواقع پر بُرے شخص کو بُرا نہ کہنا یا اس کے طرزِ عمل کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا بجائے خود ایک ظلمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اسی آخری دلیل کے تحت نہ صرف شیوہ بلکہ دنیا کے تمام حق پسند افراد برے شخص کو بُرا کہنا ضروری سمجھتے ہیں اور اسی کا نام تبرا ہے۔ احقارِ العباد فردِ غلطی



# کتابیات

- |                      |                   |
|----------------------|-------------------|
| ۱۳- تظہیر الجنان     | ۱- قرآن مجید      |
| ۱۵- تاریخ کامل       | ۲- صحیح بخاری     |
| ۱۶- عیون اخبار الرضا | ۳- صحیح مسلم      |
| ۱۷- عقد الفرید       | ۴- صحیح ترمذی     |
| ۱۸- فتح الباری       | ۵- مشکوٰۃ شریف    |
| ۱۹- اصول کافی        | ۶- مستدرک حاکم    |
| ۲۰- البدایہ          | ۷- مسند احمد      |
| ۲۱- شوب الایمان      | ۸- مردوخ الذهب    |
| ۲۲- نصاب کافیه       | ۹- تاریخ بغداد    |
| ۲۳- خلافت و ملوکیت   | ۱۰- تفسیر کبیر    |
| ۲۴- روضۃ الاحباب     | ۱۱- تاریخ طبری    |
| ۲۵- ریح الارار       | ۱۲- تاریخ الخلفاء |
| ۲۶- شرح فقہ اکبر     | ۱۳- تفسیر درمنثور |

سید سلیمان سکینہ  
جلال آباد  
۱۴۰۱ھ



ضمیر نقوی (جرنلسٹ)



نواب جعفر میر عبد اللہ

شعرو سخن کی دُنیا سے انشا پر دازی کی منزل تک محقق عصر حباب فروغ کاظمی  
میرے اُستاد ہیں اور مجھ میں یہ جبارت نہیں کہ میں اُستادِ محترم کی کسی تالیف و  
تصنیف پر اپنی قلمی رائے ظاہر کر سکوں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ”حقیقت تبر“  
کے عنوان سے یہ کتاب ایک ایسی جامع کتاب ہے جس کی قوم کو سخت ضرورت بھی  
تھی اور جو حالاتِ حاضرہ کے اہم تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے۔ اسے پڑھئے،  
سمجھئے اور دوسروں کو بھی سمجھائیے۔

مجھے خُز ہے کہ میں اپنے عُش و کرم فرما جناب نواب جعفر صاحب میر عبد اللہ  
کے اس مالی تعاون سے جو موصوف نے میری ایک ذاتی کتاب کے سلسلے میں فرمایا  
تھا، اس اَمول خزانے کی طباعت کا شرف حاصل کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں  
کہ معصومہ کوئٹہ ہم دونوں کے اس امرِ خیر کو قبول فرمائیں۔

ضمیر نقوی (جرنلسٹ)